ساجد حمید

# سکوت بر 'ختم شد'

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

بزم میں اہل نظر کے علاوہ کئی قسم کے لوگ ہوتے ہیں: ایک وہ ہوتے ہیں کہ جو اسلوب نگارش یا سخن سازی سے متاثر ہو جاتے ہیں۔ بعضے مناظرانہ طلاقت سے مطمئن ہو جاتے ہیں۔ کچھ بسیار گوئی پر اور بعض اس بات پر کہ مخالف چپ ہو گئے، ان کا کوئی جواب نہیں آیا۔ ایسے تمام قارئین کے لیے یہ نوٹ شائع کر رہا ہوں۔

میں نے وعدہ کیا تھا کہ اعتراف کے لائق کوئی چیز ہو گی تو ضرور لکھوں گا، لیکن افسوس ایسی کوئی چیز سامنے نہیں آ سکی، بلکہ الٹا معاملہ یہ ہوا ہے کہ 'ختم شد' میں میری بنیادی تنقید سے یکسر صرف نظر کیا گیا ہے۔

'ختم شد' کا جواب نہ دینے کی چند علمی وجوہات ذیل میں ہیں:

پہلی وجہ یہ ہے کہ پچھلے ماہ ''اشراق'' میں 'ختم شد' کے عنوان کے تحت طبع شدہ مضمون ناقد کے پہلے مضامین سے مختلف نہیں ہے۔ اس لیے جواب دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ اس مضمون میں ایک اور ستم کا اضافہ ہو گیا ہے، وہ یہ کہ کچھ ایسی آرا بھی میرے نام منسوب کر دی گئی ہیں، جن کی نفی میرے مضامین میں موجود ہے۔ اس کے لیے میرے طبع شدہ مضمون ـــــ اشراق، مئی ۲۰۱۹ء ـــــ کو پڑھ لینا ہی کافی ہو گا۔

دوسرے یہ کہ چند نئے ضمنی نکات بھی اس مضمون میں سامنے آئے ہیں، وہ بھی پچھلے مضمون کے جیسے ہی مناظرانہ، اور ان غلط نظریات پر مبنی ہیں جن کو غلط ثابت کر دیا گیا ہے، سو، دوبارہ لکھنے کی حاجت نہیں ہے۔ لہٰذا، میرے پچھلے مضمون ہی کو میرے جواب کے طور پر دوبارہ پڑھ لیا جائے۔ نیا جواب لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ اس بحث کی تہ سے گھاس پھوس اور خزف ریزوں کے سوا شاید کچھ برآمد ہونے والا نہیں ہے۔ میں

اپنے اُس مضمون میں ناقد کے فکر کے تضادات، انتشار استدلال، آیات کے تراجم میں ردوبدل، لسانی اسالیب سے انحراف، مثالوں میں ہوشیاری دکھانے، لاطائل بحثوں، دلائل کی غلطیوں، استدلال میں ناقد کی بے ثباتیوں، غرض دسیوں چیزوں کی نشان دہی کر چکا ہوں۔ یہی کچھ اب 'ختم شد' میں بھی سامنے آیا ہے۔ لہٰذا، سب پر پہلے ہی نقد ہو چکا ہے، نئے جواب کی ضرورت نہیں۔

تیسرے یہ کہ بلاشبہ، انسانوں کے بیچ میں لفظ و معنی کے پردے حائل ہو جاتے اور اس وجہ سے اختلافات جنم لیتے ہیں، لیکن یہاں استدلال کے پردے حائل رہے ہیں۔ انسان جن مانی ہوئی حقیقتوں پر کھڑا ہو کر باتوں کو سمجھتا ہے، جب وہ فریقین میں مشترک نہ ہوں تو گفتگو بے سود رہتی ہے۔ میں جس کو چڑیا سمجھتا ہوں، دوسرے کے نزدیک وہ کوّا ہو تو نقد و بحث تو درکنار عام بات چیت ہی ناممکن ہو جاتی ہے۔ مثلاً لفظ کے معنی کلام سے کیسے برآمد ہوتے ہیں یا مغایرت، خاص و عام، تخصیص و تعمیم جیسے تصورات جب ایک فریق کے نزدیک ایک ہوں اور دوسرے کے نزدیک دوسرے۔ نہ ان میں تطبیق کی کوئی صورت ہو، اور نہ وہ پھسلتی مچھلی کی طرح ہاتھ ہی آئیں تو فریقین کے مابین ایک خلیج حائل ہو جاتی ہے۔ ناقد اور میرے درمیان یہی خلیج حائل ہے۔ میں زبان کے جس لسانی تصور کا قائل ہوں، میرا ناقد زبان کے اس تصور کا حامل نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بات فیصلہ کن جگہ پر نہیں پہنچی، اور نہ یہ خلیج پاٹے بغیر پہنچ سکتی ہے۔ لہٰذا اگر گفتگو آگے بڑھانی ہو تو پہلے یہ خلیج پاٹنی ہو گی، جس کی، جیسا کہ اگلی باتوں سے واضح ہو گا، یہاں گنجایش نہیں ہے۔

چوتھے یہ کہ غرق ہونے والا شخص نوح کا بیٹا تھا یا نہیں؟ ابراہیم اولاد نوح علیہما السلام سے تھے یا نہیں؟ یہ فروعات ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہاں سبب اختلاف اصلاً علم و معلومات کا تفاوت نہیں، بلکہ خاص طبع زاد لسانی تصورات ہیں۔ مثلاً جب دو چیزیں عطف ہوتی ہیں تو مغایر ہونے کے ساتھ ان میں کوئی مناسبت بھی ہوتی ہے، لیکن یہ نہیں ہوتا کہ وہ جس چیز میں باہم متغایر ہوں، وہی ان کا وصف مناسبت بن جائے۔ قلم و قرطاس کے عطف میں مناسبت، مثلاً یہ ہے کہ دونوں لکھنے کی چیزیں ہیں اور مغایرت یہ ہے کہ لکھنے کے میدان میں دونوں کا کام ایک نہیں: قلم لکھتا اور قرطاس پر لکھا جاتا ہے۔ لیکن اگر 'تو من شدی من تو شدم' کی طرح قرطاس بھی اپنے معطوف علیہ کی وجہ سے لکھنے والا بن جائے تو پھر زبان سوچتی ہے کہ دونوں کا ذکر ہی کیوں ہو؟ میں یہاں غلط و صحیح کی بات نہیں کر رہا ہوں، غلطیاں میں پچھلے مضامین میں بتا چکا ہوں۔ یہاں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جب تصورات میں اس قدر بُعد ہو تو ایسی صورت میں فروعی امور کا جواب دیتے رہنا بے سود ہے۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

پانچویں یہ کہ طرز فکر میں فرق ہوتا ہے۔ مثلاً ایک ذہن ریاضیاتی طرز پر سوچتا ہے، دوسرا فلسفیانہ، تیسرا ادبیاتی اور چوتھا بے ہنگم وغیرہ۔ ریاضیاتی ذہن کی خامی یہ ہے کہ وہ، مثلاً لسانی تخلیقات میں بھی ریاضیاتی حتمیت دیکھتے ہیں، لسانی نہیں۔ فلسفیانہ طرز کا عیب یہ ہے کہ وہ، مثلاً تعقل کو کارفرما دیکھتے ہوئے فہم کلام میں منطقیت لے آتے ہیں، جب کہ لسانی و ادبی پیرایۂ بیان منطقی نہیں ہوتا۔ ادبیاتی ذہن کی خرابی یہ ہے کہ وہ فطرت کلام سے ہٹ جاتے اور مثلاً، ادبی تحریکات کی روشنی میں متون کو دیکھنے لگتے ہیں۔ لیکن ان سب سے بات ہو سکتی ہے، اس لیے کہ ان کے بات کرنے کے اصول معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن ایک طرز فکر یہ ہے کہ کوئی اصول ہی نہ ہو، اور نہ فطرت کلام ہی پیش نظر ہو اور پھر اپنی باتوں پر دوام بھی نہ ہو۔ اس طرز فکر پر ہماری قوم کی اکثریت قائم ہے۔ عہد جمہوریت میں اسے غلط نہیں کہا جا سکتا! لیکن یہ ضرور کہوں گا کہ ایسی صورت میں مکالمہ ناممکن ہے۔ خطا و صواب کی بحث میں پڑے بغیر، مذکورہ بالا تمام طرز ہاے فکر سے فروعات میں بحث بے محل ہے، جب تک کہ اصول موضوعہ یکساں نہ ہو جائیں۔

لہٰذا، 'ختم شد' پر سکوت اختیار کرنے کے فیصلے پر قائم ہوں، کیوں کہ 'ختم شد' کے تمام تر استدلال کی غلطی واضح کر چکا ہوں۔ مزید بات کرنے کی سبیل نہیں اس لیے کہ لسانی تصورات کی فریقین کے ہاں ہم آہنگی نہیں، طرز فکر میں بُعد ہے، اور بناے استدلال کے لیے بھی کوئی چیز فریقین کے مابین مشترک نہیں پائی گئی کہ استدلال کو استوار کیا جا سکے۔ ناقد کی اپنے استدلال پر مداومت بھی نہیں کہ بات آگے بڑھ سکے۔ دعا ہے کہ اللہ اس کی سبیل پیدا فرمائے۔

اللّٰھم أرنا الحق حقًا وارزقنا اتباعه وأرنا الباطل باطلًا وارزقنا اجتنابه۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org